خطبہ جمعہ

خدا کے بندوں سے پیار کرنا سیکھو چاہے دل میں یہ نیت ہو کہ اللہ مجھ سے پیار کرے

اگر خدا کے بندوں سے پیار کرو گے تو اللہ ضرور پیار کرے گا

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۵ / فروری ۱۹۹۹ء بمطابق ۵ / تبلیغ ۱۳۷۸ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم-- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

گزشتہ خطبے میں بیوگان، یتامیٰ، مجبور، محصور عورتوں اور بچوں پر رحم کی تعلیم کے تعلق میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت کی روشنی میں ایک مضمون شروع کیا گیا تھا جو میں سمجھتا ہوں کہ اس خطبے میں بھی جاری رہنا چاہئے کیونکہ اس کے کچھ پہلو ابھی قابل ذکر باقی تھے۔

سب سے پہلے تو میں ان لوگوں کا ذکر کرتا ہوں جو اپنے دل کی سختی کی شکایت کرتے ہیں۔ کئی دفعہ لوگوں کو جب سمجھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم چاہتے تو ہیں نرمی کرنا مگر ہمارے دل میں ایک سختی ہے جس پر قابو پانا مشکل ہے تو ان کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی یہ نصیحت کام دے سکتی ہے جو مسند احمد بن حنبل سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے لی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی سخت دلی کی شکایت کی۔ دیکھیں کوئی پہلو بھی ایسا باقی نہیں قیامت تک کے لئے جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے روشنی نہ ڈالی ہو اور کوئی مشکل ایسی نہیں جس کا حل نہ تجویز فرما دیا ہو اور وہی حل بہترین ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تجویز فرماتے ہیں۔ "اپنی سخت دلی کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم پڑ جائے تو مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھ"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ براہ راست جب دکھ سے واسطہ پڑتا ہے اور دکھ دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو دل کی سختی از خود دور ہو جاتی ہے۔ یہ بہت ہی عجیب نسخہ ہے جس کی طرف عام طور پر دھیان نہیں جاتا۔ گھر میں اگر کوئی اپنی عورتوں سے اور بچوں سے زیادتی کرتا ہے تو اس کے دل کی سختی کا علاج باہر کے یتیم اور باہر کے ضرورت مند کے سر پر دستِ شفقت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ باہر کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے، کسی مسکین کو کھانا کھلاتا ہے تو اسے از خود دل میں ایسے لوگوں کے لئے ہمدردی پیدا ہو جائے گی اور اپنے گھر میں بھی جب کمزوروں سے وہ تعلق قائم کرے گا یعنی گھر کے کمزوروں سے تو ظاہر بات ہے کہ یہ تجربہ جو مسکین کو کھانا کھلا کر خوشی محسوس کرنے کا تجربہ ہے اور یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنے سے جو طبعی طور پر دل میں ایک کشادگی پیدا ہوتی ہے اس سے اس کے اندرونی اصلاح ہو جائے گی۔ یہ بہت گہرے نفسیاتی نکتے ہیں جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے سوا آپ کو دنیا کے کسی روحانی طبیب کے نسخوں میں نہیں ملیں گے۔

ایک اور روایت سنن ابی داؤد سے لی گئی ہے اور حضرت معاویہ القشیری کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ ہماری عورتوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ عورتوں سے ہمیں کیا سلوک کرنا چاہئے۔ فرمایا اس میں سے انہیں کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور جو تم پہنتے ہو اسی جیسا انہیں بھی پہناؤ۔ یہ تو نہیں کہ گھر میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے عورت پھرتی ہو اور چونکہ اس نے باہر نہیں جانا اسلئے پتہ بھی نہ لگے کسی کو کہ گھر میں کیا پہن رکھا ہے اور باہر جب انسان پھرے تو سوٹڈ بوٹڈ اور جس طرح بھی سج دھج کے جا سکتا ہے ویسا جائے۔ فرمایا ویسا ہی پہناؤ یعنی یہ مطلب نہیں کہ جو مردوں والے کپڑے ہیں پہناؤ، مطلب یہ ہے کہ اچھے کپڑے پہنتے ہو تو گھر میں بھی عورتوں کو اچھے کپڑے پہناؤ اور انہیں نہ مارو اور برا بھلا بھی نہ کہو۔

عام طور پر لوگ جو قرآن کریم کی تعلیم میں بعض حالات میں مارنے کی اجازت کا ذکر ملتا ہے اسکا غلط استنباط کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ کھل جاتے ہیں۔ فرمایا ان کو نہ مارو اور ان کو برا بھلا بھی نہ کہو اور اُن کی غلطیاں نہ پکڑا کرو کہ ہر وقت تلاش رہے کہ کوئی غلطی کرے تو بتاؤ کہ تم نے یہ غلطی کی ہے۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب النكاح)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک روایت ملتی ہے اور اس کا تعلق ایک وسیع علاقے سے ہے۔ صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی دی تو میں اہل عراق کی بیواؤں کو ایسی حالت میں چھوڑوں گا کہ انہیں میرے بعد کسی اور آدمی کی محتاجی نہ رہے گی۔ اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس ملک عراق پر نظر تھی اور جس کی بیواؤں اور یتیموں کے لئے آپ نے ایک ایسا نظام جاری فرمایا آج وہی عراق ترس رہا ہے ایک "عمر" کو ترس رہا ہے اور یہ حال سب دنیا میں پھیلا پڑا ہے بیواؤں اور یتیموں کا کوئی والی اور کوئی سہارا دینے والا باقی نہیں رہا۔

تو یہ حدیث خصوصیت کے ساتھ میں آپ کے سامنے اس لئے رکھنا چاہتا ہوں کہ اہل عراق کو اور وہاں کے مظلوم بچوں اور عورتوں اور بیواؤں اور یتامیٰ اور ان سب کو جو بہت مصیبت میں زندگی بسر کر رہے ہیں ان سب کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کا کوئی سامان کرے ورنہ ان پر بہت زبردست اور ظالم مسلط ہو چکے ہیں ان کے ظلم سے بچانے کے لئے ہمارے پاس اور کوئی راہ نہیں سوائے اس کے کہ دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

جس ملک میں بیواؤں، یتامیٰ اور مساکین کا خیال نہ رکھا جائے اس ملک کا حال تو وہی ہوتا ہے جو سعدی نے بوستان میں کہا ہے کہ وہ چراغ جو ایک بیوہ عورت نے جلایا تو نے اکثر دیکھا ہوگا کہ اس سے ایک شہر جل گیا۔ بڑی پر حکمت بات ہے ایک بیوہ عورت نے چراغ جلایا وہ کون سا چراغ جلاتی ہے جس سے شہر جل جاتا ہے اس کے دل کا دکھوں کا چراغ مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ اپنے گھر میں چراغ جلایا اس سے شہر جل گیا۔ گھر کے چراغ سے تو اس کا گھر ہی جل سکتا تھا مگر اس نے دل میں ایک دُکھ کا چراغ جلایا ہے تو تم نے دیکھا ہوگا کہ اس سے سارا شہر جل گیا۔ تو اب تو شہروں کی باتیں نہیں ملکوں کی باتیں ہیں۔ **ایسے ملک جن میں بیواؤں، یتیموں کی آہیں بلند ہو رہی ہیں، مسکینوں اور غریبوں کی آہیں بلند ہو رہی ہیں، خود سوزیاں کرتے ہیں بھوک سے نڈھال ہو کر اور تڑپ کر اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ ان سے سارا ملک اگر جل نہ جائے تو کیا ہو۔** سارے ملک کو ان کی آہیں آگ لگا دیں گی اور لگا رہی ہیں اور کوئی سمجھنے والا نہیں، کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اس کے لئے اہل دل ہونا ہی کافی نہیں اہل بصیرت ہونا بھی ضروری ہے۔ اہل دل تو اس غم میں جلتے ہیں لیکن اہل بصیرت اس کی تدبیریں بھی سوچتے ہیں۔

اور اسی پہلو سے جماعت احمدیہ کو میں نصیحت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہتا ہوں کہ اہل دل ہی نہ ہوں اہل بصیرت بھی بنیں اور اپنے ارد گرد کچھ ماحول کو تو روشن کریں جس سے روشنی پا کر پھر آہستہ آہستہ وہ روشنی باقی جگہ پھیلنی شروع ہو جائے۔ یہ نصیحت آپ کو پہلے بھی کی تھی اب پھر میں دوبارہ اس بات کی تکرار کر رہا ہوں کہ جس ملک میں بھی احمدی دیکھیں کہ بھوکوں، پیاسوں، غریبوں، یتیموں کی پرورش کرنے والا، ان کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں وہ خود اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیں اور ان کے ارد گرد ایک روشنی کا چراغ روشن کر دیں۔ بعض دفعہ اس کے نتیجے میں اگرچہ انسان کی توفیق تھوڑی بھی ہو خدا تعالیٰ کے فضل سے نتائج بہت اچھے نکل آتے ہیں اور بڑے وسیع نتائج نکلتے ہیں۔

اور اس ضمن میں ایک بات میں یہ بھی عرض کر دوں کہ جب میں یتامیٰ کی بات کرتا ہوں تو اردو محاورے میں یتیم محض ایسے شخص کو نہیں کہتے جس کا باپ نہ ہو بلکہ ایسے شخص کو بھی نہیں کہتے جو چھوٹا ہو اور غیر شادی شدہ ہو۔ یتیم ایک اردو محاورہ ہے اور اس محاورے کے پیش نظر بعض دفعہ شادی شدہ مرد کو بھی

یتیم کہہ دیتے ہیں اور بعض عورتیں جو شادی شدہ ہوں، بچوں والی ہوں ان کو بھی، یتیم سی عورت ہے بیچاری تو بیوہ تو نہیں کہیں گے اس کو لیکن یتیم کہہ دیا جاتا ہے۔ تو یتیم کا لفظ وسیع الاثر ہے، وسیع المعانی ہے اور یاد رکھنا چاہئے کہ عورتیں ہی نہیں مظلوم ہوتیں مرد بھی مظلوم ہوتے ہیں اور ایسے مظلوم ہوتے ہیں جن کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ بیچارہ یتیم سا گھر میں پڑا ہوا ہے اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یتیمی ایک اندرونی کمزوری کا نام ہے دراصل یعنی اردو میں جب لفظ یتیمی کا استعمال دیکھیں گے تو اندرونی طور پر ایک کمزوری ہے جس کے نتیجے میں یُتم پیدا ہوتا ہے۔

تو مرد عورتوں پہ ظلم کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں اور اس سلسلے میں میں خطبات دیتا رہتا ہوں لیکن بعض مرد کہتے ہیں کہ ہمارا بھی تو ذکر کرو، ہم پر بھی تو ظلم ہوتا ہے اور ایسے بیچارے لوگ ہیں جو واقعۃً گھر سے باہر زندگی زیادہ سے زیادہ کاٹتے ہیں کیونکہ گھر جانا ان کے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ اسی ضمن میں ایک لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ ایک شخص اپنے دوست کو بتا رہا تھا کہ میرا کتنا کام ہے اس نے کہا دیکھو اتنے گھنٹے میں دفتر میں صرف کرتا ہوں، اتنے گھنٹے فلاں دکان پر ملازمت کرتا ہوں، اتنے گھنٹے فلاں کام کرتا ہوں، اتنے گھنٹے فلاں جگہ کام کرتا ہوں تو گھر کے لئے دو چار گھنٹے صرف بچتے تھے تو اس نے بڑے تعجب سے کہا کہ تمہیں آرام کا کوئی وقت نہیں ملتا۔ اس نے کہا یہی تو آرام کا وقت ہے جب گھر سے باہر میں خرچ کرتا ہوں وقت یہی تو میرے آرام کا وقت ہے گھر تو ایک عذاب ہے۔ تو ایسے لوگ بھی ہیں بیچارے جن کی بیویاں ظالم ہوتی ہیں اور ان کے لئے گھر جانا ایک مصیبت بن جاتا ہے۔

تو لفظ یتیم کو ان عام اور وسیع معنوں میں میں جب دیکھتا ہوں تو اس پہلو سے بھی بہت سی نصیحت کی باتیں ہیں جو جماعت کے سامنے کرنی چاہئیں۔ اول تو وہ مرد جن کا یہ حال ہو ان کی آپ مدد براہ راست کچھ نہیں کر سکتے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ ان کے اندر ایک دفعہ جب کمزوری پیدا ہو چکی ہو تو اس کا پھر کوئی علاج نہیں۔ ایسے مردوں کے اوپر بیویوں کو دھونس جمانے کے سوا اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور ان کی اندرونی کمزوری ہے جس کا علاج ممکن نہیں ہے۔ شروع شادی میں تو ہو سکتا تھا لیکن جب ایک لمبے عرصے تک ایک عورت کے سامنے مرد آنکھ نہیں اٹھا سکتا تو وہ آنکھیں پھر اٹھنے کے قابل ہی نہیں رہتیں ہمیشہ یہی حال رہتا ہے اور اس ضمن میں ساری دنیا کا ادب بھرا ہوا ہے لطیفوں سے اور کہانیوں سے کہ ایسی عورتیں جو خاوندوں پر دندناتی پھرتی ہیں ان کے خاوند بیچارے کیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔

ہمارے اپنے تجربے میں بھی ایسے بہت سے احباب ہیں جن کا یہی حال ہے بیچاروں کا۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں عورت خوش کبھی نہیں رہتی اس لئے یہ نصیحت میں خاوندوں کو کرنے کی بجائے عورتوں کو کر رہا ہوں۔ خاوند بے چارے تو بے اختیار ہیں۔ اب ان کے ہاتھ سے معاملہ آگے نکل چکا ہے، کچھ بھی نہیں کر سکتے سوائے یتیمی کے رونے کے ان کے پلے کچھ نہیں رہا باقی لیکن عورتوں کو خود اپنا خیال کرنا چاہئے۔ میں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے ایسی عورتیں کبھی بھی خوش نہیں رہتیں۔ نہ ان کی اولادیں خوش رہ سکتی ہیں نہ ان کی اولادوں کی تربیت ہو سکتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے مرد کو قوام بنایا ہے جس بیچاری عورت کا مرد قوام نہ ہو وہ اس طرح اندرونی غصے نکالتی ہے لیکن اس کی کچھ پیش نہیں جاتی۔

تو عورتوں کو چاہئے کہ ہوش کریں اور ایسے لوگوں کی عزت کریں، ان کے ساتھ عزت سے پیش آئیں، اپنے گھر کو ان کے لئے جنت بنائیں۔ اگر وہ اپنے گھر کو خاوندوں کے لئے جنت بنائیں گی تو ان کے پاؤں تلے ان کے بچے بھی جنت حاصل کریں گے۔ **اگر خاوندوں کے لئے وہ اپنے گھروں کو جنت نہیں بنائیں گی تو ان کے پاؤں تلے سے بچوں کے لئے جہنم تو مل سکتی ہے، ان کو جنت نصیب نہیں ہو سکے گی۔** کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسی ماؤں کے بچے گستاخ ہو جاتے ہیں جن کی مائیں خاوند سے گستاخ ہوں۔ ان کے بچے صرف باپ سے ہی گستاخ نہیں ہوتے بلکہ ماں سے بھی گستاخ ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ سوچ کر، غور کے بعد میں نے یہی سمجھا ہے کہ ایسے خاوندوں بیچاروں کو تو میں نصیحت نہیں کر سکتا، ان کا یتم تو اب موت ہی دور کر سکتی ہے۔ لیکن عورتوں کو نصیحت کرنی چاہئے اور ان کی بھلائی میں ہے یہ بات۔

دوسرا پہلو ایک خاص طور پر عورتوں کی طرف توجہ کا یہ ہے کہ وہ سارا اجماعتی نظام سے ہی تعلق رکھتا ہے کہ عورتوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ **اپنے نظام جماعت کو بیواؤں کی شادی کی طرف توجہ دینی چاہئے** ورنہ بعض دفعہ شفقت کے ہاتھ کی بجائے ظالم کا ہاتھ عورت کے سر پہ چلا جاتا ہے۔ بیواؤں کے متعلق اسلامی فقہ کی رُو سے ان کو اپنی ذات میں ایک آزادی حاصل ہوتی ہے۔ ان کا کوئی اور دوسرا ولی نہیں ہوتا وہ خود ہی اپنا ولی ہوتی ہیں اور ایسے بھیڑئے بھی ہیں جو بھیڑوں پر ہاتھ رکھنے کی بجائے جیسا کہ ظاہر ہے، وہ ہاتھ رکھنے کے بہانے ان کا خون چوس جاتے ہیں۔

تو قرآن کریم نے اس کا جو حل پیش کیا ہے جو بیواؤں کے نکاح کے متعلق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بیواؤں کو نکاح کرنے چاہئیں اور بیواؤں کے نکاح کر لیا کرو۔ لیکن اس راہ میں ہمارے ملک کا معاشرہ حائل ہوا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے بیوہ کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اگر بیٹھی رہے اپنے خاوند کے نام پر تو یہی اس کے لئے بہتر ہے۔ یہ ظلم ہے اور یہ فضا ظلم ہے جس فضا میں ایسی عورت دم لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ میرا بیٹھا رہنا میری عزت کی نشانی ہے۔

ہندوؤں میں جو جل جانے کی رسم تھی، ستی ہو جانے کی وہ اسی وجہ سے جاری ہوئی ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے نصیحت پکڑیں۔ وہ عورت جس کو یہ نظر آ رہا ہو کہ اب ساری زندگی میں نے دکھوں میں کاٹنی ہے اور ایک خاوند کے نام پر، اس کی عزت کے نام پر میں نے انتہائی مظلومیت کی زندگی بسر کرنی ہے، وہ بعض دفعہ یہ پسند کرتی ہے ورنہ ہندو معاشرے میں تو بہت حد تک یہ پسند کرتی تھی کہ وہ زندہ جل جائے مگر ساری زندگی نہ جلتی رہے۔ پس مسلمانوں کو جن کا ہندوؤں سے ایک قرب ہے، ان کی ہمسائیگی میں رہتے ہیں کوئی سو سال سے اسی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں ان سے نصیحت پکڑنی چاہئے تھی اور بیواؤں کی شادی کے متعلق ضرور توجہ کرنی چاہئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس میں پڑھ کے سناتا ہوں۔ فرماتے ہیں "اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے تو گو وہ عورت جوان ہی ہو دوسرا خاوند کرنا ایسا برا سمجھتی ہے جیسا کوئی بڑا بھاری گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ اور رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے کہ میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاکدامن بی بی ہو گئی ہوں حالانکہ اس کے لئے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے"۔ پس جتنی بھی احمدیوں میں ایسی بیوائیں ہیں جن کی شادی ممکن ہے بعض ایسی ہیں جن کی شادی ممکن نہیں ہوتی بعض وجوہ سے وہ الگ مسئلہ ہے اس کے متعلق بھی دوسرے رستے سوچے جا سکتے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "اس لئے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے۔ عورتوں کے لئے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا نہایت ثواب کی بات ہے ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے"۔

اب دیکھیں کتنا بڑا لقب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دے رہے ہیں۔ "ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں برے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کر لے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے"۔ (ملفوظات جلد ۵ طبع جدید۔ صفحہ ۴۷)۔ اب یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح نہ کرنے کے لئے بھی ایک کھڑکی کھول دی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام جو ہے وہ اس پہلو سے بہت ہی عارفانہ ہے جس سلسلے میں جو نصیحت فرماتے ہیں اس کے ہر پہلو پر نظر رکھتے ہیں اور کوئی نہ کوئی استثناء بھی بیچ میں رکھ دیتے ہیں۔ تو دیکھیں فرمایا "جو بیوہ ہونے کی حالت میں برے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کر لے"۔

پس بعض ایسی بیوہ عورتیں ہیں جن کی عمر شادی کی بھی گزر چکی ہوتی ہے اور برے خیالات پیدا ہوتے ہی نہیں دل میں۔ تو اب وہ بیچاریاں یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اوپر بھی ایک قسم کا انذار ہے کہ اگر ہم شادی نہیں کریں گی تو اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگا۔ وہ مستثنیٰ ہیں اور بعض ایسی پاکدامن عورتیں بھی مستثنیٰ ہیں جو چھوٹی عمر میں بیوہ رہ جاتی ہیں لیکن ان کا دل کلیۃً پاک رہتا ہے اور اتنا پاک ہوتا ہے کہ کسی اور کی نظر ہی نہیں پڑتی ان کے اوپر، ان کی زندگی کا رہن سہن ہی مختلف ہو جاتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جو شرط رکھ دی "بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں برے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کر لے"۔

برے خیالات سے ڈرے اور نابکار عورتوں کی لعن طعن سے نہ ڈرے۔ اب ایسی عورت کو جو طعنے دیتی ہیں عورتیں وہ نابکار ہیں ان کو فاسق و فاجر فرمایا گیا ہے۔ یہ عورت تو پاکدامن ہے اس لئے نکاح کر رہی ہے تو اس کی پاکدامنی کی راہ میں حائل ہو کر اس کو طعنے دیتی ہو تو گویا وہ نابکار نہیں تم نابکار ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تعلق میں قرآن کریم کی ایک آیت سے استنباط کرتے ہوئے بہت ہی لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں "وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْم۔ چونکہ لوگ بیوہ کے نکاح کے بارے میں کہتے ہیں یہ ہماری عزت کے خلاف ہے اس لئے فرمایا کہ میرا نام عزیز ہے۔ میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں، میں یہ حکم دیتا ہوں"۔ بحیثیت عزت والے کے، عزیز ہونے کے میں یہ حکم دیتا ہوں کہ نکاح کر لو۔ تو تمہاری اور کونسی عزت ہے جو اللہ سے بڑھ کر عزت ہے۔ جب تمام عزتوں کا مالک حکم دے رہا ہے تو عزت اسی میں ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

"اور لوگ کہتے ہیں کہ بیوہ کا نکاح نامناسب ہے اس لئے فرمایا ہم حکیم ہیں"۔ عزیز کے ساتھ حکیم بھی فرمادیا کہ صاحب حکمت تو میں ہوں یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ صرف میں عزت والا بلکہ صاحب حکمت ہوں اور جن لوگوں نے اپنے طور پر کوئی حکمت سوچی ہوئی ہے کہ بیوہ کا نکاح کرنا حکمت کے خلاف ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ فرماتے ہیں "اس لئے فرمایا ہم حکیم ہیں۔ ہر قسم کی حکمت کو خوب سمجھتے ہیں اس لئے یہ حکم دیا جو نامناسب نہیں"۔ یہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹/اپریل ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔ (بحوالہ حقائق الفرقان جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۷۵)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۲۴۵ میں لکھتے ہیں۔ "قومی اخلاق کی درستی کے لئے بیوائیں قوم میں نہ رہنے دی جائیں"۔ "قومی اخلاق کی درستی کے لئے بیوائیں قوم میں نہ رہنے دی جائیں"۔ ایک تو بیواؤں کا اپنا حق ہے، ایک قوم کا حق ہے کہ اپنے اخلاق کی حفاظت

کریں۔"بلکہ ان کی شادی کر دی جائے اسی طرح غلاموں اور رنڈیوں کی بھی شادی کی جائے"۔ یہ قرآن کریم کی آیت کے حوالے سے تھا یہاں اب غلامی کا تو سوال نہیں ہے۔ لیکن تفسیر کبیر میں چونکہ پرانے زمانے میں جب غلامی کا رواج عام تھا اس کی باتیں ہو رہی ہیں اس لئے اس کا تعلق پہلے زمانے سے ہے۔

"اور شادی میں مالی کمزوری کو مد نظر نہ رکھا جائے اور جو شادی کر ہی نہ سکیں وہ اپنے اخلاق کی درستی کا خاص طور پر خیال رکھا کریں"۔(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۲۴۵)۔اب شادی کر ہی نہ سکیں میں ایک اور بات بھی ہے جو قابل توجہ ہے کہ ہر عورت بیچاری کے بس میں تو نہیں ہوتا کہ وہ شادی کر لے۔ بعض عورتیں شکل و صورت کی کمزور ہوتی ہیں اور کئی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں کہ رشتے آتے ہیں دیکھ کر وہ چلے جاتے ہیں۔اب اگر وہ بیوہ بھی ہو تو اس بیچاری کا کیا بس۔ کوئی خاوند بھی تو ہونا چاہئے یعنی ہونے والا خاوند جس کے ساتھ شادی کی جائے اس پر مجھے انگلستان کے ایک پرائم منسٹر کا قول یاد آگیا جو بہت گہری عقل والا اور دلچسپ قول ہے۔اس نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ جہاں تک میری حکومت کی پالیسی کا تعلق ہے میں اس بات کے حق میں ہوں کہ سب عورتوں کی شادی ہونی ضروری ہے مگر سب مَردوں کی شادی ہونی ضروری نہیں۔اب یہ لفظ اس نے کہہ دیا سب مَردوں کی شادی ضروری نہیں تو ظاہر بات ہے کہ عورتوں کی بھی نہیں ہو سکے گی پھر۔اپنی طرف سے اس نے عورتوں کی حمایت میں اعلان کیا ہے کہ میری حکومت کی پالیسی دیکھو کیسی عمدہ ہے میں چاہتا ہوں کہ ہر عورت کی شادی کروادی جائے لیکن مَردوں پر میں یہ حکم نہیں ڈال سکتا۔وہ اگر شادی نہیں کریں گے تو عورتوں کی شادی کیسے ہو جائے گی۔

تو ایسی عورتیں بھی تو ہیں بیچاری جن کے اختیار میں نہیں ہے کہ شادی کرنا چاہیں بھی تو شادی کر نہیں سکتیں تو ایسی عورتوں کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق کی درستی کا خاص طور پر خیال رکھا کریں۔ اب یہ ذمہ داری ان عورتوں پر آجاتی ہے اور اس میں بیوائیں ہی نہیں بلکہ کنواری عورتیں بھی جن کو انگریزی میں Spinster کہتے ہیں بڑی عمر کی ہوتی چلی جاتی ہیں اور شادی نہیں ہوتی وہ بھی اس میں داخل ہیں،ان کا بھی یہ پھر ذاتی فرض بن جاتا ہے معاشرہ بھی ان کی مدد کرے ان کے اخلاق کی حفاظت میں اور ذاتی طور پر وہ بھی اپنا خاص طور پر خیال رکھا کریں۔ بعض عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے بچوں کی خاطر شادی نہیں کی ان پر کوئی حرف نہیں ہے۔اگر وہ اپنے اخلاق کی حفاظت کرتی ہوں اور ان کے اخلاق کی حفاظت کا ثبوت پھر یہ ہے کہ ان کی زندگی کی کیفیت ہی بدل جایا کرتی ہے اور بچے بھی سمجھتے ہیں کہ ایک پاکدامن ماں کے سائے تلے ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

تو کوئی قاعدہ کلیہ ایسا تو نہیں بنایا جا سکتا کہ جس کے نتیجے میں ادھر کوئی بیوہ ہوئی ادھر اس کی شادی کا انتظام کر دیا جائے،نہ یہ دیکھا جائے کہ بچوں کا کیا حال ہوگا۔ بعض دفعہ ایک حکم ایک دوسرے حکم کے مقابل پر کھڑا ہو جایا کرتا ہے۔یعنی جہاں بیوگان کا خیال رکھنے کی تعلیم ہے وہاں یتامیٰ کا بھی تو حق ہے۔پس اگر کوئی ماں یہ سمجھے کہ میرے شادی کرنے سے میرے یتیم بچے رُل جائیں گے تو ایک شرعی عذر کے مقابل پر ایک شرعی عذر ہو جائے گا اس لئے اس کو دین کا باغی نہیں قرار دیا جا سکتا مگر شرط یہی ہے کہ وہ پھر اپنے اخلاق کی بطور خاص حفاظت کرے۔

اب میں آخر پر ایک ایسا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو دعا کی خاطر بھی ہے اور بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کوششیں جو کسی نے قادیان میں کی تھیں وہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت رنگ لا چکی ہیں اور کتنے تھوڑے روپے، کتنی محنت سے ایک شخص نے کام کیا تھا اور آج خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام دنیا میں اسی کے ثمر پھیلے پڑے ہیں اور یہ دعا کی تحریک بھی ہے اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قادیان میں جو بناء ڈالی گئی تھی اس پر بہت بڑی بڑی عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ خدا نے اس چھوٹی سی بناء کو ضائع نہیں فرمایا۔ میری مراد حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکرِ خیر سے ہے۔ آپ عاشق تھے اس بات کے کہ یتامیٰ کی خدمت کریں۔لفظ یتیم کے ساتھ ان کا نام اس طرح منسلک ہو چکا ہے تاریخ میں کہ کبھی بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔اس ضمن میں آپ کا جو کردار تھا میں اس کے اوپر ساری باتیں تو بیان نہیں کر سکتا،بہت سی ہیں جو میری اپنی آنکھوں دیکھی ہیں مگر جو کچھ بھی تاریخ میں محفوظ ہے اس میں سے کچھ صفحے میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ باقاعدہ نظام کے طور پر یتیموں وغیرہ کا خیال رکھنے کا کوئی نظام نہیں تھا۔ مؤرخ نے یہ اسی سے نتیجہ نکالا ہے کہ تسلی بخش انتظام نہیں تھا۔ مراد یہ ہونی چاہئے اصل میں کہ یتیموں کی خبر گیری تو جماعت ہر جگہ کر ہی رہی تھی اپنے طور پر کر رہی تھی مگر نظام جماعت کے طور پر کوئی ایسا تسلی بخش انتظام نہیں تھا مثلاً قادیان میں اگر یتامیٰ کا خیال رکھنے والے گھر موجود تھے تو بیرون قادیان بھی تو بہت سے ایسے یتامیٰ تھے جو ضرورت مند بھی تھے اور وہ خود قادیان کے گھروں میں آکر نہیں پل سکتے تھے تو مراد یہ ہے کہ ایسا انتظام نہیں تھا جو جماعتی انتظام ہو اور محض قادیان کے ضرورت مندوں کو نہ دیکھے بلکہ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے ضرورت مندوں کی ضرورتیں دیکھے۔

اس ضمن میں **حضرت میر محمد اسحق صاحب رضی الله تعالیٰ عنه نے ایك بہت ہی اہم تاریخی کردار ادا کیا تھا** ۔یکم مئی ۱۹۲۶ء میں آپ نے دارالشیوخ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اس کا نام دارالیتامیٰ نہیں رکھا بلکہ دارالشیوخ رکھا کیونکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اردو محاورے میں یتیم اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کا پرسان حال کوئی نہ ہو تو وہ بڈھے بھی اس میں رکھے جاتے تھے جن کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو ان کو اگر چھوڑ دیا جائے تو یتیموں کی طرح زندگی بسر کریں تو دارالشیوخ نام رکھا اور اس میں غریب اور معذور بچے بلکہ بعض بوڑھے بھی کافی تعداد میں رہتے تھے اور حضرت میر صاحب اپنی پرائیویٹ کوشش کے ذریعے ان کے اخراجات مہیا فرمایا کرتے تھے۔

اب یہ جو پرائیویٹ کوشش ہے اس سلسلے میں وہ کوشش چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں تھی اور آپ نے ایک خاموش تقریر کے ذریعے یعنی جس کو زبان تقریری کہتے ہیں یعنی بولے بغیر تائید کر دیں کسی بات کی تو اس کو تقریری تائید کہا جاتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے چونکہ نظام جماعت کی طرف سے آپ کو پکڑا نہیں کہ کیوں ایسا کام شروع کر رہے ہو جس کی نظام جماعت اجازت نہیں دیتا اس لئے حضرت میر صاحب نے بھی اس کا یہی نتیجہ نکالا اور واقعۃً یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ حضرت مصلح موعودؓ خوش ہوئے اس بات سے کہ جماعت میں ایسے ادارے کی بناء ڈالی جا رہی ہے جس نے آگے جا کر بڑی عمارت بن جانا تھا۔ حضرت میر صاحب سارے اخراجات اپنی پرائیویٹ کوشش سے پورے کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو تعلیم بھی دلواتے تھے، جامعہ احمدیہ میں داخل کرتے تھے جو ہائی سکول میں جانا چاہے اس کو ہائی سکول میں داخل کروایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس پہلو سے بہت سے بچے ہیں جو مدرسہ احمدیہ، جامعہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ ان پر نظر کریں تو بعد میں خدا تعالیٰ نے ان کو بہت کچھ دیا اتنے بڑے بڑے مقامات اور مراتب تک پہنچے ہیں اور مالی لحاظ سے بھی ان کو ایسی کشائش نصیب ہوئی کہ بعد میں انہوں نے لکھو کھہا دوسرے یتیم بچوں پر خرچ کیا اور دوسری بیواؤں وغیرہ پر خرچ کیا۔

اس سلسلے میں دو تین واقعات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ایک حکیم عبداللطیف صاحب شاہد کا بیان ہے۔وہ کہتے ہیں میری دارالشیوخ میں تین سال تک بطور مہتمم تقرری کے زمانے میں بیسیوں طالب علم قادیان بغرض تعلیم آئے۔جب خاکسار آپ کی خدمت میں یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت میر صاحب کی خدمت میں ایسے کسی طالب علم یا غریب آدمی کو داخلے کے لئے پیش کرتا تو تین سال کے لمبے عرصہ میں مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کسی ایک کے داخلے میں بھی کبھی لیت و لعل سے کام لیا ہو۔ جو عربی دان ہیں وہ اسے لَیْتَ وَ لَعَلَّ پڑھنے پر زور دیتے ہیں۔ مگر اردو ڈکشنری میں لیت و لعل کہنا ہی کافی ہے ۔اردو ڈکشنریاں اسی کی تائید کرتی ہیں جب اردو کلام میں بات کی جائے تو لیت و لعل کہنا چاہئے۔ بہرحال جو بھی ہے یہ ضمنی سی بحث ہے۔

کہتے ہیں میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی لیت و لعل سے کام لیا ہو۔ دارالشیوخ میں کسی فرد کے داخلے کے بعد آپ نے نہ صرف اس کی ضروریات کا پورا خیال رکھا بلکہ اس کو بیکار بھی نہیں رہنے دیتے تھے۔اگر کوئی شخص طلب علم کی خواہش کرتا تو اسے ہائی سکول یا مدرسۂ احمدیہ میں داخل فرما دیتے۔اگر کوئی درزی وغیرہ کا کام سیکھنا چاہے تو اسے وہاں پر انچارج درزی خانہ مرزا مہتاب بیگ صاحب کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ مرزا مہتاب بیگ صاحب کی اپنی دکان تھی درزی کی تو انچارج نہیں کہنا چاہئے، مالک درزی خانہ جو مرزا مہتاب بیگ تھے کیونکہ بہت نیک دل، بہت بزرگ انسان تھے اس لئے حضرت میر صاحب انہی کے سپرد کر دیا کرتے تھے ماہر بھی بہت تھے، کہ وہ خود ان بچوں کا خیال رکھیں اور ان کو سکھائیں۔

اسی طرح ایک محرر تھے منشی محمد یٰسین صاحب جو نظارت ضیافت میں محرر ہوا کرتے تھے۔ قادیان کے پرانے لوگ ان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ دارالشیوخ میں ایک سو پچھتر کے قریب افراد کے کھانے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی تھی اور اس کا فنڈ بڑا کمزور تھا، کوئی جماعتی فنڈ نہیں تھا ایک دفعہ قاضی نور محمد صاحب مرحوم ہیڈ کلرک نظارت ضیافت نے عرض کیا کہ اب دارالشیوخ میں دو ہزار قرض ہو گیا ہے۔ حضرت میر صاحب سے عرض کیا کہ اب اس کا کیا کریں۔ فرمایا کل عصر کے بعد تانگہ لانا اور میرے ہمراہ چلنا۔(اس موقعه پر حضور ایده الله کی آواز رقت سے گلوگیر ہو گئی۔مرتب) مجھے اس پہ درد اس لئے پیدا ہو رہا ہے کہ حضرت میر صاحب اس وقت بہت بیمار تھے، بخار کی حالت تھی لیکن یتیموں کی خاطر آپ نے فرمایا "اور تانگہ لانا میرے ساتھ چلنا" میں ایک یہ بھی حکمت ہے بڑی تکلیف اٹھا کر آپ یتیموں کی ضرورتیں پوری کیا کرتے تھے۔ دارالشیوخ کے لئے چندے کی تحریک کرنی ہے۔ دوسرے دن تانگہ لایا۔ ہم دونوں سوار ہو گئے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کبیر مرحوم کے گھر کے پاس حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب ملے ۔ نواب عبداللہ خان صاحب بھی بڑے فیاض تھے اور ضرورتمند یتامیٰ وغیرہ کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ اتفاق سے اللہ تعالیٰ کی شان کہ پہلے ہی ان سے واسطہ ہوا۔ حضرت نواب صاحب نے حضرت میر صاحب سے مصافحہ کیا۔ نواب صاحب نے مصافحہ کے بعد فرمایا۔ ماموں جان آپ کو بخار ہے۔ یہی وہ بیماری کی حالت ہے جس کا میں نے ذکر کیا تھا کہ بخار جب تک کسی نے مصافحہ نہیں کیا نہیں پتہ چلا، خود نہیں بتایا، اس کو بھی نہیں بتایا جس کو کہا تھا میرے ساتھ چلو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کی اس نیکی سے پردہ اٹھانا تھا اس لئے ایک ایسا شخص ملا جس نے اپنا گھر کا بڑا سمجھ کر مصافحہ کیا اور کہا ہیں! آپ کو تو بخار ہے ۔ فرمانے لگے ہاں کچھ بخار تو ہے مگر دارالشیوخ پر کچھ قرضہ ہو گیا ہے اور اس کے لئے چندہ کرنے کو محلّہ

دارالرحمت جارہا ہوں۔

انہوں نے، نواب عبداللہ خان صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پچاس روپے نکالے اور اسی وقت پیش کر دئے۔ مجھے فرمایا یعنی یٰسین صاحب کی روایت ہے مجھے فرمایا کہ جیب میں رکھتے جاؤ۔ جب نواب صاحب کچھ آگے نکل گئے تو فرمایا "بوہنی تو اچھی ہو گئی"۔ بوہنی کہتے ہیں جو دکاندار دکان کھولتا ہے تو پہلا سودا جو ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی نظر ہوتی ہے۔ یہ مشہور ہے کہ اگر پہلا سودا اچھا ہو جائے تو سارا دن اچھا گزر جاتا ہے۔ تو وہ تو پتہ نہیں لوگوں کا اچھا گزرتا ہے کہ نہیں۔ میر صاحب تو خدا کی خاطر نکلے تھے۔ بوہنی بھی خدا نے کروائی تھی اور دن بھی لازماً اچھا گزرنا تھا۔ فرمایا بوہنی تو اچھی ہو گئی ہے۔ غرض محلّہ دارالرحمت میں پہنچے۔

اب مجھے سمجھ نہیں آئی کہ محلّہ دارالرحمت کا کیوں انتخاب کی ہے شاید لفظ رحمت میں کچھ آپ نے ایسی بات دیکھی کہ اللہ کی رحمت کی تلاش میں نکلا ہوں تو دارالرحمت میں جانا چاہئے۔ مغرب کی نماز کے بعد تحریک کی گئی۔ اس میں ایک اور بزرگ کا بھی ذکر مل گیا ہے جن کو خود بھی غریبوں اور مسکینوں کی خدمت کا بہت شوق تھا وہ حضرت مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری تھے، ان سے تقریر کروائی۔ معلوم ہوتا ہے طبیعت کافی خراب تھی ورنہ حضرت میر صاحب خود بہت اچھے مقرر تھے اور ایسی باتیں جو دل پر اثر انداز ہونے والی ہوں اس میں تو آپ کو تقریر کا ایسا ملکہ تھا کہ بعض تقریروں میں وہ لوگ جو شامل ہوئے ہیں پرانے زمانے کے جو زندہ ہیں ابھی تک جانتے ہیں کہ شروع سے آخر تک لوگوں کی چیخیں نکل جایا کرتی تھیں بڑا درد انگیز بیان ہوا کرتا تھا۔ خود بھی روتے تھے لوگوں کو بھی رلایا کرتے تھے تو اس وقت، اتنی اہم تحریک کے وقت خود نہ اٹھنا یہ بھی میرے نزدیک اس بات کی علامت ہے کہ آپ کو توفیق نہیں تھی اس وقت۔ بہر حال مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری نے تقریر کی۔ اہل محلّہ نے خوب چندہ دیا، غلہ بھی دیا۔

پھر دوسرے دن بھی گئے اور اس دن دارالفضل گئے اور پھر یہ سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں سے شروع ہوا رحمت سے پھر فضل پھر دوسرے محلوں میں بھی جاتے رہے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اڑھائی ہزار روپیہ جمع ہو گیا، غلہ اس کے علاوہ تھا۔ قاضی صاحب سے فرمانے لگے جب کمی ہو جائے گی پھر بتانا، پھر میں اسی طرح اکٹھے کرلوں گا۔

حافظ عبدالعزیز صاحب مؤذن مسجد اقصیٰ کا یہ بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک معزز احمدی قادیان تشریف لائے۔ وہ بوجہ عدم الفرصتی کے ایک گھنٹے کے لئے حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو آئے تھے کہیں باہر سے آئے تھے، صاحب حیثیت تھے اور بالکل مختصر ملاقات کے لئے پھر واپس چلے جانا تھا۔ حضرت میر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے لوگوں کی تاک میں رہا کرتے تھے تاکہ ان کو بھی ثواب میں شامل کرلیں۔ جانتے تھے کہ صاحب حیثیت ہیں تو طریقہ بہت اچھا ڈھونڈا۔ انہوں نے فوراً بھائی أحمد دین صاحب ڈنگوی کی دکان سے ان کے لئے لسّی اور ناشتے کا انتظام کیا، ان کو ساتھ لے کر دارالشیوخ میں تشریف لائے۔ جب لسّی اور ناشتہ پیش کیا تو ویسے بھی اس وقت آنے والے کی عزت افزائی ہونی چاہئے تھی، مہمان کی خدمت ہونی چاہئے تھی تو ذاتی طور پر جب ان کو لسّی کا ناشتہ وغیرہ ملا تو بہت خوش ہوئے تو کہا آئیے میں آپ کو دارالشیوخ بھی دکھادوں۔

دارالشیوخ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جماعت کے یہ یتیم اور مسکین ہیں۔ ایک بہت پیاری بات کہی۔ یہ میرا باغ ہے میں نے یہ باغ لگایا ہے دیکھو خدا تعالیٰ نے اس باغ کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس کثرت سے یہ باغ ملک ملک لگ رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس زمانے میں نیکی اور خلوص اور تقویٰ نے جو بنیادیں ڈالی تھیں انہی پر یہ عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ وہ بیج جو بوئے گئے تھے وہ اس وقت باغ کہلانے کے ابھی حقیقت میں مستحق نہیں تھے کیونکہ تھوڑے سے چند پودے تھے۔ اب تو وہ عالمی باغ بن گئے، تمام جہان پر ان کا عرصہ محیط ہو چکا ہے۔ فرمایا اللہ کی خاطر لگایا ہے آپ بھی اس کی آبیاری میں حصہ لیں۔ وہ احمدی دوست چند منٹ میں آپ کی باتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پانچ صد روپے کی رقم ان یتامیٰ کی اعانت کے لئے پیش کر دی۔

اب یہ جو پانچ صد کی رقم ہے بظاہر دیکھنے میں اگرچہ اس وقت کے لحاظ سے بڑی تھی مگر پھر بھی کچھ نہیں۔ اب واقعہ یہ ہے کہ میں بعض ایسے یتامیٰ کو جو یہاں پلے تھے دارالشیوخ میں ان کو ذاتی طور پر جانتا ہوں جنہوں نے زندگی بھر ایک کروڑ روپے کے قریب دوسرے یتامیٰ اور ضرورتمندوں کے لئے خرچ کئے ہونگے۔ تو براہ راست وہ پودے جو ہاں لگے تھے ان کا فیض بھی پھیلا ہے، ان کی جڑیں بھی پھیلی ہیں، ان کی شاخیں بھی پھیلی ہیں اور بڑے وسیع علاقوں پر محیط ہو گئی ہیں اور وہ سارے احمدی جو اس زمانے میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں کی خدمت پر مامور رہا کرتے تھے اللہ کی خاطر ان کی دعاؤں، ان کی کوششوں کو دیکھ کر اللہ نے کیسا سن لیا ہے۔ آج تمام عالم پر خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ باغ لہلہا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو فرماتے ہیں ؎

بہار آئی ہے اس وقتِ خزاں میں ☆ لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں

یہ وقت خزاں ہے، دیکھو دنیا میں ہر جگہ یتیموں، بیواؤں، بے سہاروں کو پوچھنے والا کوئی بھی نہیں۔ آج جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پاکستان بھی جل رہا ہے، آج عراق بھی جل رہا ہے، بنگلہ دیش بھی جل رہا ہے، سیاست دان بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں، بڑے بڑے وعدے دلاتے ہیں اور ووٹ مانگنے کے لئے ہر قسم کی لالچیں دیتے ہیں ووٹ کھا جاتے ہیں اور ان کا پیٹ خالی رہتا ہے جن کا ووٹ کھا جاتے ہیں پس سارا زمانہ محتاج ہے، سارا زمانہ فقیر ہو چکا ہے اسکا کچھ علاج کرو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

"آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج"۔ اور کچھ نہیں تو اس آگ کو تمہاری آنکھ کا پانی بجھا دے گا۔ دل میں درد پیدا کرو اور آنکھ کے پانی سے اس کا علاج کرو۔ سعدی ہی نے ایک موقع پر یہ کہا کہ خشک سالی اور فاقہ کشی اور غربت کا ایک موقع پر یہ عالم تھا سارے ملک کا کہ سب پانی خشک ہو گئے تھے سوائے یتیم کی آنکھ کے پانی کے۔ بہت پیاری بات کہی ہے سب پانی خشک ہو گئے مگر یتیم کی آنکھ کا پانی خشک نہیں ہوا۔ آج وقت ہے کہ **میں چاہتا ہوں کہ سب دنیا کے پانی سوکھ جائیں مگر اے احمدیو! تمہاری آنکھ کا پانی نہ سوکھے۔ آج تمہاری ہی آنکھ کا پانی ہے جو ان باغوں کی آبیاری کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ پانی ہے جو اس آگ کو بجھائے گا۔**

پس میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جماعت کو یہ توفیق بخشے گا، بخش رہا ہے اور بھی بخشے اور بخشتا چلا جائے۔ آج اگر آپ نے دنیا کا ساتھ چھوڑ دیا تو کوئی دنیا کا ساتھ دینے والا نہیں رہے گا۔ **ہر نیکی کی بناء جماعت احمدیہ ہے، ہر نیکی کا استحکام جماعت احمدیہ سے وابستہ ہو چکا ہے۔** پس اللہ کے فضل کے ساتھ دعائیں کرتے ہوئے دعاؤں میں بھی آنکھ کا پانی برسے اور ان معنوں میں بھی برسے کہ ان پودوں کی آبیاری آپ کرنے والے ہوں، جتنی توفیق ہو اس کے مطابق ان باغوں کو لہلہاتا ہی رکھے ہمیشہ۔ خدمت خلق کے باغات ہیں اللہ تعالیٰ ہماری توفیق کو بڑھائے۔ یہ بنیادی مقاصد میں داخل ہے۔ دو ہی تو مقصد ہیں اللہ سے تعلق اور بنی نوع انسان سے تعلق اور اللہ کا تعلق منحصر ہے اس بات پر کہ بنی نوع انسان سے تعلق ہو۔ اللہ کا تعلق افضل ہے مگر شروع بنی نوع انسان کے تعلق سے ہوتا ہے اگر بنی نوع انسان سے تعلق نہیں ہے تو پھر خدا بھی اپنی رحمت اور شفقت کا ہاتھ اٹھا لیا کرتا ہے۔

خدا کے بندوں سے پیار کرنا سیکھو چاہے دل میں یہ نیت ہو کہ اللہ مجھ سے پیار کرے اگر خدا کے بندوں سے پیار کروگے تو اللہ ضرور پیار کرے گا۔ ابوادھم کی وہ کہانی جو سب دنیا میں مشہور ہوئی یہاں تک کہ انگلستان میں اس پر بڑی بڑی نظمیں لکھی گئیں۔ وہ یہی تو بات کہتی ہے۔ ابوادھم ایک دفعہ حج کے دوران رات کو لیٹے ہوئے تھے غنودگی کی حالت میں یہ کشف دیکھا کہ فرشتے ہاتھ میں کتاب لئے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو۔ انہوں نے کہا ان لوگوں کے نام لکھ رہے ہیں جن کو خدا سے محبت ہے۔ تو انہوں نے کہا میرا نام تلاش کرو، نام نہ نکلا۔ پھر دیکھا یہ دوسری کتاب، یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ ان لوگوں کی کتاب ہے جن کو اللہ کے بندوں سے محبت ہے اس میں ابوادھم کا نام سر فہرست تھا۔ پھر دوسرے دن یا اسی کشف کی حالت کی بات ہے پھر دیکھا کہ ایک اور کتاب اٹھائے پھر رہے ہیں انہوں نے کہا یہ کون سا رجسٹر ہے اس میں کن لوگوں کے نام ہیں؟ کہا کہ جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ دیکھا تو سب سے اوپر ابوادھم کا نام تھا جس کا خدا کے بندوں کی خدمت پہ نام تھا اس کا خدا کی محبت میں بھی نام تھا اگرچہ بظاہر یہ نہیں تھا کہ خدا سے محبت کرتا ہے اس کے بندوں سے محبت کرتا تھا مگر جب اللہ کی محبت کی باری آئی تو اس کا نام سر فہرست تھا جو اللہ کے بندوں سے محبت کرتا تھا۔

پس اسی دعا پر میں اس خطبے کا اختتام کرتا ہوں کہ خدا کرے کہ ہمیشہ رہتے وقتوں تک جماعت کا نام ان رجسٹروں میں لکھا جائے جن میں ان کے نام ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔